فقر و فاقہ اور اُس کا اسلامی حل !

(۱۰)

یوسف القرضاوی

ترجمہ و تلخیص : عبد الحمید صدیقی

کونسا مذہب قابلِ اتباع ہے ؟ تقسیمِ زکوٰۃ کے بارے میں فقہِ اسلامی کے مختلف مذاہب میں سے اِن دو مذہبوں کو پیش کرنے کے بعد سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے کونسا مذہب قابلِ اتباع ہے ؟ محتاج و فقیر کو عمر بھر کی ضروریاتِ زندگی ایک دفعہ مہیا کر دینے والا مذہب یا سال بھر کی ضروریات ہر سال مہیّا کرنے والا مذہب ؟ درحقیقت ان میں سے ہر مذہب اپنے درست ہونے کے دلائل رکھتا ہے۔ خصوصًا اُس وقت جب کہ ہم چاہیں کہ زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کا معاملہ اسلامی حکومت اپنے ہاتھ میں لے دونوں پر حالات کے لحاظ سے عمل کرنا ممکن ہے، کیونکہ دونوں کا دائرۂ عمل الگ ہو سکتا ہے۔

محتاج و مساکین دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم اُن ضرورت مندوں پر مشتمل ہے جو کام کر کے اپنی روزی کما سکتے ہیں اور خود اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکتے ہیں، مثلاً کاریگر، دوکاندار، کسان وغیرہ۔ مگر ان کے پاس کام کرنے کے اوزار، تجارت کے لیے سرمایہ، یا زمین اور کاشتکاری اور آبپاشی کے آلات نہیں ہیں۔ ایسے حاجتمندوں کے لیے ضروری ہے کہ انہیں زکوٰۃ میں سے اتنی رقم دے دی جائے جس سے وہ عمر بھر اپنی روزی کما سکیں، اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکیں، اور دوبارہ زکوٰۃ کے محتاج نہ ہوں۔ دورِ حاضر میں اس تجویز پر یُوں بھی عمل کیا جا سکتا ہے کہ زکوٰۃ کے مال سے کارخانے اور تجارتی ادارے بنا کر اُن محتاجوں اور ضرورت مندوں کی ملکیت میں دے دیئے جائیں جو کام کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔

دوسری قسم اُن لوگوں پر مشتمل ہے جو کام اور کسب سے بالکل عاجز ہیں۔ مثلاً اپاہج، اندھا، پیر فرتوت

بیوائیں اور بچے وغیرہ۔ ایسے محتاجوں کو سال بھر کی ضروریاتِ زندگی کے لیے ہر سال زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، بلکہ اگر یہ ڈر ہو کہ یکمشت رقم وصول کر کے وہ اسے غیر ضروری کاموں میں صرف کر دیں گے یا خرچ کرنے میں اسراف و تبذیر سے کام لیں گے تو صحیح تر بات یہ ہے کہ انہیں مہینے بھر کی ضروریات کے مطابق ہر ماہ ایک مقررہ رقم دے دی جائے۔ دَورِ حاضر میں اس تجویز پر بالکل اُس طرح عمل کیا جانا چاہیے جس طرح ملازمین کو تنخواہیں دی جاتی ہیں۔

حسنِ اتفاق دیکھیے کہ جب میں تقسیمِ زکوٰۃ کے اس طریقے پر اظہارِ خیال کر چکا تو مجھے بعض کتبِ حنابلہ میں بھی یہی طریقہ مندرج ملا۔ چنانچہ غایۃ المنتہیٰ اور اس کی شرح میں امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول کہ "اگر کسی شخص کے پاس اتنی جائیداد یا زمین ہو جس سے وہ دس ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ کما سکتا ہو اور اتنی آمدنی اس کے لیے ناکافی ہو تو اس کو یہ جائز ہے کہ وہ حسبِ کفایت زکوٰۃ لے لے"، نقل کر کے کہا گیا ہے کہ بنابریں یہ ضروری ہے کہ کسی پیشہ ور کو اپنے پیشے کے آلات کی قیمت دی جائے خواہ کتنی ہی زیادہ ہو اور تاجر کو حسبِ کفایت سرمایہ دیا جائے اور ان کے علاوہ جو فقیر و مسکین ہوں انہیں اتنی رقم دی جائے جو ان کے لیے اور اُن کے کنبوں کے لیے سال بھر کو کافی ہو، کیونکہ اگلے سال پھر انہیں حسبِ کفایت زکوٰۃ مل جائے گی۔

معقول معیارِ زندگی اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کا مقصد محتاج اور فقیر کو چند درہم عطا کر دینا نہیں ہے بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ معقول و مناسب معیارِ زندگی قائم کیا جائے جو اُس انسان کی انسانیت کے شایانِ شان ہو جسے اللہ تعالیٰ نے انسانیت اور استخلاف فی الارض سے سرفراز فرمایا ہے، اور اُس مسلمان کے مناسبِ حال ہو جو دینِ عدل و احسان سے نسبتِ خاص رکھتا ہے اور جو اُس بہترین اُمت سے منسوب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ساری انسانیت کی ہدایت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ علامہ ابن حزمؒ نے المحلّیٰ میں اور امام نوویؒ نے المجموع میں اور بہت سے دوسرے علماء و فقہاء نے کہا ہے کہ کم از کم جس چیز سے انسانی زندگی کا معیار قائم ہوتا ہے یہ ہے کہ انسان کو خورد و نوش کی مناسب ضر[illegible]ت، گرمیوں اور سردیوں میں پہننے کے لیے الگ الگ کپڑے اور رہائش کے لیے اس کے مناس[illegible]ل مکان وغیرہ مہیا ہو۔ امام نوویؒ کفایت

کی تعریف یوں کرتے ہیں: "جس کے بغیر انسان فقیر ہو جاتا ہے (مسکین نہیں کیونکہ وہ امام موصوف کے نزدیک فقیر کے مقابلے میں خوشحال ہوتا ہے)۔ پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ کسی شخص کے پاس حسبِ کفایت ضروریاتِ زندگی ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس سامانِ خورونوش، پہننے کے لیے کپڑے، رہائش کے لیے مکان اور دیگر مناسبِ حال ضروریات مہیا ہوں جن کے بغیر کوئی چارۂ کار نہیں۔ اور وہ انہیں برتنے میں نہ تو اسراف سے کام لے اور نہ کنجوسی سے۔"

دورِ حاضر میں یہ بھی انسان کی ناگزیر ضروریات میں ہے کہ اس کے بچے احکامِ دین کی تعلیم حاصل کریں اور اپنے وقت کے مروجہ علومِ مفیدہ سے بھی آگاہی حاصل کریں تاکہ وہ جہالت و لاعلمی کے اندھیروں سے نکل سکیں اور ایک باعزت زندگی گزارنے کے قابل ہو سکیں اور دین و دنیا کے فرائض بہ احسن وجوہ انجام دے سکیں۔ فقہاء نے مسلمان فرد کی اصلی ضروریاتِ زندگی پر بحث کرتے ہوئے ذکر کیا ہے کہ مسلمان کی پہلی ضرورت تو یہ ہے کہ اس کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم و آگہی کی روشنی کی طرف لایا جائے۔ کیونکہ جہالت ادبی موت اور معنوی ہلاکت ہے۔

دوسری ناگزیر ضرورت یہ ہے کہ اگر وہ یا اس کے کنبے کا کوئی فرد بیمار ہو تو علاج کی سہولتیں میسّر ہوں نہ کہ اُسے اس حالت میں چھوڑ دیا جائے کہ وہ بیماری میں مبتلا رہ کر آخر جان دے دے۔ یہ تو قتلِ نفس ہے۔ اور خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اے اللہ کے بندو! اپنے امراض کے لیے دوا دارو کیا کرو کیونکہ جس خدا نے بیماری یا مرض کو پیدا کیا ہے اُسی نے دوا کو بھی پیدا کیا ہے[1] اور فرمانِ خداوندی ہے وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ[2] (اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو)۔ اور وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا[3] "اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تمہارے ساتھ بہت رحم کرنے والا ہے۔"

صحیح بخاری میں ہے کہ المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ "مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اُس پر ظلم نہیں کرتا اور نہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔" اگر کوئی مسلمان اپنے والدین کو یا کوئی مسلم معاشرہ کسی فرد کو کسی مرض میں مبتلا چھوڑ دے اور اس کا علاج نہ کرے تو اُس نے بلاشبہ اُسے بے یار و مددگار چھوڑا اور

---

[1] بخاری [2] سورہ البقرہ، ۱۹۵ [3] سورۃ النساء ۲۸۔

ذلیل و رسوا کیا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ کسی شخص کے معیارِ زندگی کی کوئی حتمی اور قطعی حد بندی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ وہ زمان و مکان، قومی دولت اور قومی آمدنی کی مقدار کے مختلف ہونے کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ بعض چیزیں کسی زمانے اور قوم میں تعیشات میں شمار ہوتی ہیں، جب کہ وہی چیزیں کسی دوسرے زمانے اور قوم میں احتیاجات سمجھی جاتی ہیں۔

باقاعدہ دائمی اعانت | جب ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ زکوٰۃ سے اسلام جو مقصد حاصل کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ فقیر اور کوئی کام نہ کر سکنے والے مسکین اور اُن کے کنبوں کے لیے معقول معیارِ زندگی کی ضمانت دی جائے، اور اسلام اس مقصد کے حصول کے لیے انہیں پورے ایک سال کی ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی رقم بھی دیتا ہے، تو ہمیں اس میں اتنا اضافہ کر لینا چاہیے کہ زکوٰۃ ایسے مستحق افراد کے لیے ایک قسم کی دائمی اور باقاعدہ اعانت ہے۔ یہاں تک کہ غنا فقر کو، قدرتِ کار عجز کو اور کسب و کار بیکاری کو دُور کر دے۔ ابو عبید نے الاموال میں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوپہر کے وقت کسی درخت کے سائے میں قیلولہ فرما رہے تھے کہ ایک بدو عورت کسی ایسے آدمی کو تلاش کرتی ہوئی آپ کے پاس آئی جس سے بھلائی کی توقع کی جاسکے اور کہنے لگی "میں ایک مسکین عورت ہوں اور میرے بچے بھی ہیں۔ امیر المومنین عمر بن خطاب نے محمد بن مسلمہ کو زکوٰۃ جمع اور تقسیم کرنے کے لیے بھیجا تھا مگر اُس نے ہمیں کچھ نہیں دیا۔ خدا تم پر رحم کرے ذرا میری سفارش تو اُس کے پاس کر دو۔" آپؓ نے اپنے خادم یرفاء کو آواز دی اور کہا کہ محمد بن مسلمہ کو بلا کر لاؤ۔ اس عورت نے کہا "اگر تم میرے ساتھ اس کے پاس چلو تو میرا کام ضرور ہو جائے گا۔" آپؓ نے کہا "انشاء اللہ وہ ابھی کرے گا۔" یرفاء محمد بن مسلمہ کے پاس گیا اور کہنے لگا "خلیفہ تمہیں بلاتے ہیں۔" ابن مسلمہ آپؓ کے پاس آئے اور کہا "اے امیر المومنین! السلام علیکم!" یہ سُن کر وہ عورت کچھ شرمندہ ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے ابنِ مسلمہ سے کہا "بخدا! میں تم میں سے بہترین افراد کو زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کے لیے منتخب کرتا رہا ہوں۔ جب خدائے عزوجل تم سے اس عورت کے متعلق پوچھے گا تو تم کیا جواب دو گے؟" یہ سُن کر محمد بن مسلمہ کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف مبعوث فرمایا تو ہم نے اُن کی تصدیق

کی اور اُن کا کہا مانا اور آپؐ نے احکامِ خداوندی پر پُورا پُورا عمل کیا اور فقراء و مساکین جو زکوٰۃ وغیرہ کے مستحق تھے انہیں زکوٰۃ دیتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی رُوح قبض کر لی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں کی خلافت کا موقع دیا۔ آپؓ نے بھی زکوٰۃ کے معاملے میں سُنّتِ نبویؐ پر پورا پورا عمل کیا تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں موت دے دی۔ پھر مجھے خلافت کا موقع ملا تو میں تم میں سے بہترین افراد کو زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کے لیے مقرر کرتا رہا۔ اب اگر میں نے تمہیں بھیجا تو اِس عورت کو اِس سال اور پہلے سال دونوں کی زکوٰۃ دینا۔ مجھے معلوم نہیں شاید میں تمہیں نہ بھیجوں"۔ پھر آپؓ نے اُس عورت کے لیے ایک اُونٹ منگوایا اور اُسے کچھ آٹا اور گھی دے کر فرمایا "یہ لے لو اور ہمیں خیبر کے مقام پر ملنا کیونکہ ہم وہاں جا رہے ہیں"۔ وہ عورت خیبر کے مقام پر آپ کے پاس حاضر ہوئی تو آپ نے اس کے لیے دو اور اونٹ منگوائے اور فرمایا "یہ لے لو۔ یہ اتنی دیر تمہارے گزارے کے لیے کافی ہے کہ محمد بن مسلمہ دوبارہ تمہارے ہاں آئے۔ میں نے اُسے حکم دے دیا ہے کہ وہ تمہیں سالِ رواں یا سالِ گذشتہ دونوں کی زکوٰۃ کا حصّہ دے"۔

یہ واقعہ اور امیر المومنین عمر اور محمد بن مسلمہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور مسکین بدّو عورت کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ کس بات پر دلالت کرتی ہے؟

- یہ واقعہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسلمان حکمران کو اسلامی حکومت کے زیرِ سایہ رہنے والے ہر فرد کے بارے میں اپنی مسئولیت اور ذمّہ داری کا کس قدر احساس ہوتا ہے۔
- اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود مسلمان معاشرے کے افراد کو اپنے شایانِ شان زندگی گزارنے کے لیے اُس حق کا کس قدر احساس ہوتا ہے جو انہیں مسلمان حکومت دیتی ہے۔
- اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ معاشرے میں معاشی تحفظ کی عمارت کا بنیادی ستون ہے۔
- اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زکوٰۃ ایک مستقل اور باقاعدہ اعانت ہے جو اگر کسی مستحق تک نہ پہنچے تو اس کا یہ حق ہے کہ وہ حاکمِ وقت کے پاس شکایت کر کے اپنا حق طلب کرے۔
- اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زکوٰۃ کے بارے میں حضرتِ عمر رضی اللہ عنہ کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ مستحق کو اتنا دے دو جو اُسے کافی ہو اور مزید سے بے نیاز کر دے۔ چنانچہ پہلے آپ نے اُس بدو عورت کو آٹے اور گھی سے

لدا ہُوا ایک اُونٹ دیا، پھر دو اُونٹ اور دیئے اور کہا کہ یہ اُس وقت تک تمہارے گزارے کے لیے ہے جب تک کہ محمد بن مسلمہ تمہارے ہاں آکر سالِ رواں اور سالِ گزشتہ دونوں کی زکوٰۃ میں سے تمہارا حق نہیں نہ دے دے۔

• ان سب کے بعد یہ واقعہ اس بات کی بھی واضح شہادت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس طرزِ عمل میں نئے نہیں تھے بلکہ وہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے طرزِ عمل کے تبع تھے۔

مالِ زکوٰۃ کی تقسیم میں اسلام کی سیاست تقسیمِ زکوٰۃ کے بارے میں اسلام نے جو حکیمانہ اور عادلانہ پالیسی اختیار کی ہے وہ دورِ حاضر جس میں پیش کیے جانے والے نظام ہائے زندگی اور قانون سازیوں کو بعض لوگ جدید بلکہ بالکل جدید سمجھتے ہیں، کے جملہ ترقی یافتہ سیاسی اور مالی نظاموں کے مقابلے میں پیش کی جا سکتی ہے۔ یہ حقیقت بھی معلومِ عام ہے کہ دورِ جاہلیت اور قرونِ مظلمہ میں یورپ کے اندر کسانوں، صنعت کاروں، کاریگروں اور تجارت پیشہ لوگوں سے کس طرح ٹیکس اور محصول وغیرہ وصول کیے جاتے تھے جو اپنے ہاتھ کی محنت، پیشانی کے پسینے، رات کی بے خوابی اور دن بھر کی مشقت سے اپنی روزی کماتے تھے۔ اور یہ دولت جس میں خونِ مزدور شامل ہوتا تھا کس طرح شہنشاہ، بادشاہ، امیر یا سلطان کو اُس کے عالیشان دارالحکومت میں پہنچتی تھی۔ اور وہ اسے اپنے تاج و تخت کے استحکام، اپنی شان و شوکت کی نمائش، اور اپنے حاشیہ برداروں، ہم نشینوں اور پیرو کاروں پر خرچ کرتا تھا۔ اور اگر اپنی ضرورت سے کچھ زائد دولت ہوتی تھی وہ شہر کی توسیع و آرائش اور اس کے باشندوں کی رضا جوئی کے لیے خرچ کی جاتی تھی۔ اور اگر پھر بھی کچھ دولت بچ جاتی تھی تو وہ اُن شہروں کے لیے ہوتی تھی جو اس شہنشاہ یا سلطان کی بارگاہ عالی سے قریب تر ہوتے تھے، اور وہ اُن محنت کش اور مشقت اٹھانے والے اور بارگاہِ عالی سے دُور علاقوں کو بالکل درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے تھے جن سے ٹیکسوں اور محصول وغیرہ کی شکل میں یہ دولت حاصل کی جاتی تھی۔

اسلام نے آکر جب مسلمانوں کو زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا تو مسلمان حکمران کو بھی یہ حکم دیا کہ وہ اہلِ ثروت اور اُن کے مالوں کو مطہر و مزکّی کرنے کے لیے اُن سے زکوٰۃ وصول کریں اور معاشرے کے محتاج و فقیر طبقوں کو

فقر کی ذلت اور محتاجی کی پستی سے نجات دلانے کا انتظام کریں، حتیٰ کہ سارے مسلم معاشرے میں امدادِ باہمی اور عدل و انصاف کا دَور دورہ ہو جائے۔ خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے جب زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عاملینِ زکوٰۃ کو مختلف علاقوں میں زکوٰۃ جمع کرنے کے لیے بھیجتے وقت یہ حکم دیا کہ اُن علاقوں کے دولتمندوں سے زکوٰۃ لے کر انہیں علاقوں کے فقراء و مساکین میں تقسیم کر دو۔ گذشتہ صفحات میں معاذؓ بن جبل کی حدیث گزر چکی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن کی طرف بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ وہاں کے اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر وہیں کے فقراء کو دے دی جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر اسی طرح عمل کیا اور اہلِ یمن کی زکوٰۃ وہیں کے مستحق افراد میں تقسیم کر دی بلکہ ہر علاقے کی زکوٰۃ وہیں کے محتاجوں اور مساکین میں بانٹ دی اور اُن کے نام ایک تحریری پیغام بھیجا کہ جو شخص اپنے خاندانی علاقے سے نقلِ مکانی کر گیا ہو، اس کی زکوٰۃ اور عُشر اُس کے خاندانی علاقے ہی میں صرف کی جائے گی۔

ابو جُحیفہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مُصدِق (صدقہ زکوٰۃ وغیرہ جمع کرنے والا) ہمارے ہاں آیا تو اُس نے ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر ہمارے فقراء میں بانٹ دی۔ مَیں اس وقت ایک یتیم لڑکا تھا، اُس نے زکوٰۃ میں سے مجھے ایک اونٹنی دی تھی۔ صحیح بخاری کی روایت ہے کہ ایک بدو نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوالات پوچھے جن میں سے ایک یہ تھا "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا! کیا آپ کو خدا تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ آپ ہمارے اغنیاء سے زکوٰۃ لے کر ہمارے فقراء میں تقسیم کر دیں؟" آپؐ نے جواب دیا "ہاں"۔ ابو عُبیدہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی وصیت میں فرمایا "مَیں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو یہ وصیت کرتا ہوں، یہ وصیت کرتا ہوں کہ بدوؤں کے ساتھ بھلائی کرنا کیونکہ وہی اصل عرب ہیں اور وہی اسلام کا ہیولیٰ ہیں اور ان کی ضرورت سے زائد مال لے کر فقراء کو دے دینا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زندگی میں بھی اسی پر عمل رہا کہ جہاں سے مال جمع کیا جاتا وہیں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ اور محصّلین (زکوٰۃ صدقات اور خراج وغیرہ جمع کرنے والے) اس حالت میں مدینہ واپس آتے تھے کہ اُن کے پاس سوائے پالان کے نیچے کے کپڑوں (جن کو وہ اپنے جسموں کے گرد لپیٹ لیتے تھے) اور اپنی

لاٹھیوں کے جن پر وہ ٹیک لگاتے تھے اور کچھ نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ حضرت سعیدؒ بن مُسَیّب سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بنو کلاب اور بنو سعد بن ذبیان کا محصل بنا کر بھیجا۔ انہوں نے جو زکوٰۃ و صدقات وغیرہ جمع کیے وہ سب کے سب اُنہی کے غرباء و فقراء میں تقسیم کر دیئے حتیٰ کہ جب واپس آئے تو اُن کے پاس وہی بوریا تھا جو وہ اپنی گردن پر ڈال کر گئے تھے۔ یعلیٰ بن اُمیہ کے ساتھیوں اور اُن لوگوں میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں جنہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عامل زکوٰۃ مقرر فرمایا تھا کہ ہم زکوٰۃ و صدقات وغیرہ وصول کرنے نکلتے تھے اور جب لوٹتے تھے تو ہمارے پاس صرف اپنے چابک ہوتے تھے۔ زکوٰۃ کے جمع و تقسیم کا یہ طریقہ جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن خلفائے راشدین نے جاری کیا تھا اُسی پر بعد میں آنے والے عادل گستر مسلمان حکمران اور صحابہ اور تابعین میں سے وہ فقہاء چلے جو فتویٰ میں امام مانے جاتے تھے۔ چنانچہ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہیں اپنے پدر زادے زیاد یا بنو اُمیہ کے عہد کے اُمراء میں سے کسی امیر کی طرف سے کسی علاقے پر عاملِ زکوٰۃ مقرر کیا گیا جب وہ واپس آئے تو امیر نے اُن سے کہا "مال کہاں ہے؟" انہوں نے کہا "کیا مال لانے کے لیے تم نے مجھے بھیجا تھا؟ ہم نے مال وصول کیا جہاں سے ہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں وصول کرتے تھے اور دے دیا جہاں ہم اس وقت دیا کرتے تھے۔

امام ابو عُبیدؒ فرماتے ہیں کہ یہ ساری احادیث ثابت کرتی ہیں کہ ہر علاقے کے لوگوں کا اپنے علاقے کے صدقات و زکوٰۃ پر حق مقدم ہے تاوقتیکہ وہ اُن کے ضرورت مند نہ رہیں۔ ہمارے خیال میں اُن کا حق اس لیے مقدم ہے کہ سُنّتِ نبویؐ اس کی تائید کرتی ہے اور وہ لوگ اپنی قوم کے دولتمندوں کے گھروں کے قریب اور اُن کی ہمسائگی میں رہنے کی وجہ سے اُن سے ایک خاص تعلق رکھتے ہیں۔ اگر کوئی مُصدِّق (صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے والا) غلطی سے ایک علاقے کی زکوٰۃ دوسرے علاقے میں لے جاتے درآں حالیکہ پہلے علاقے کے رہنے والوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے، تو حاکمِ وقت اُسے واپس کروا سکتا ہے جیسا کہ عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے کیا اور سعید بن جُبیر نے فتویٰ دیا۔

امام ابراہیم نخعیؒ اور حسن بصریؒ دونوں نے یہ جائز قرار دیا ہے کہ آدمی صدقہ و خیرات دینے میں

اپنے قرابتداروں کو ترجیح دے سکتا ہے۔ امام ابو عُبید فرماتے ہیں کہ یہ تو انسان صرف اپنے خاص مال میں سے صدقہ وغیرہ دینے میں کر سکتا ہے۔ مگر جو صدقات یعنی زکوٰۃ وغیرہ جمہور اُمّت کا حق ہیں اور جن کا وصول کرنا اور تقسیم کرنا حاکمانِ وقت کے ذمّہ ہے اُن میں کوئی شخص کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں رکھتا۔

ان دونوں بزرگوں کی طرح ابو العالیہ کی ایک حدیث ہے کہ وہ اپنی زکوٰۃ مدینہ منورہ لے جایا کرتے تھے۔ ابو عبید فرماتے ہیں کہ ہمارا خیال ہے کہ وہ تو اپنے قریبیوں اور رشتہ داروں کو زکوٰۃ دیتے تھے۔

جس طرح اس بات پر اجماعِ اُمّت ہے کہ زکوٰۃ جس علاقے سے وصول کی جائے گی اُسی میں تقسیم کردی جائے گی اسی طرح یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ اگر کسی خاص علاقے کے رہنے والوں کو زکوٰۃ کی ضرورت نہ رہے خواہ اس عدمِ ضرورت کی وجہ وہاں مستحق زکوٰۃ طبقوں کا ختم ہو جانا ہو یا اُن کی تعداد کی کمی اور مالِ زکوٰۃ کی فراوانی ہو تو دوسرے علاقوں کے مستحق افراد کی طرف یا حاکمِ وقت کی طرف منتقل کی جا سکتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کے دوسرے مصارف میں اسے صرف کرے یا اس علاقے سے قریب ترین علاقوں میں بھیج دے۔ اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی بہت خوب ہے کہ ایک علاقے کی زکوٰۃ دوسرے علاقے میں لے جانی جائز نہیں ——— مگر اس صورت میں کہ کسی علاقے کے باشندوں کو اُس کی ضرورت ہو اور حاکمِ وقت بربنائے اجتہاد کسی دوسرے علاقے کی زکوٰۃ اُن کی طرف منتقل کردے۔

سَحنون سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ اگر امیر المومنین کو یہ خبر پہنچے کہ فلاں علاقے کے رہنے والوں کو زکوٰۃ وغیرہ کی اشد ضرورت ہے تو اس کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ اس صدقے کو جس کا استحقاق کسی دوسرے علاقے والے رکھتے ہیں، اُن کی طرف منتقل کر دے کیونکہ جب کوئی ضرورت آپڑے تو اُسے صدقہ و زکوٰۃ کے استحقاق میں مقدم سمجھا جائے گا۔ اور مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اُسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا نہ اس پر ظلم کرتا ہے۔ (باقی)